فردوسی اور اُس کا شاہنامہ

مؤلفہ

جناب مولٰینا مولوی محمد علی صاحب دہلوی رئیس بمبئی

بجسے

باجازت

جناب خان بہادر مولانا با فضل مولوی سراج الدین احمد صاحب

بیرسٹر ایٹ لا

نے

بعد حصول مجدد حق حقوق

اللہ والے کی قومی دکان مالک چنن الدین ککے زئی تاجر کتب قومی

منزل نقشبندیہ

کوچہ ککے زئیاں ــــــــــــــ بازار کشمیری

لاہور نے

[بکاشی رام پریس لاہور میں باہتمام لالہ بکاشی رام مینیجر چھپا]

بار اوّل ۱۰۰۰ ۳

تصوف کی سراپا رحمت بے نظیر کتابوں کا سلسلہ جو اب چھپا

ہشت بہشت اردو

یعنی مکمل مجموعہ ملفوظات حضرات خواجگان چشت رضوان اللہ علیہم اجمعین - اس میں آٹھ اکابر حضرات چشت کے ملفوظات درج ہیں - اور اس کے پڑھنے سے برکات الٰہی نازل ہوتے ہیں - بہت بڑی کتاب ہے - قیمت ۸/ مجلد

اردو ترجمہ کتاب سیر العارفین

یعنی حالات و کرامات بزرگان عظام چشت از ابتدائے جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تا حضرت شیخ شہاب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خلیفہ شیخ عماد الدین رحمۃ اللہ علیہ تک کے مفصل درج ہیں - از جناب شیخ بہاء الدین محمود ناگوری - قیمت عہ/

اردو ترجمہ کتاب انیس الارواح

اس کتاب میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ کے ملفوظات ہیں - مرتبہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ - قیمت ۴/

اردو ترجمہ کتاب فوائد السالکین

اس کتاب میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ کے ملفوظات ہیں - مرتبہ حضرت بابا فرید الدین گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ - قیمت ۲/

اردو ترجمہ کتاب خلاصۃ العارفین

یعنی مجموعہ ملفوظات حضرت خواجہ قطب الاقطاب حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت بابا فرید الدین گنجشکرؒ و حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشتؒ اور حضرت محبوب الٰہی نظام الدین رحمہم اللہ علیہم اجمعین کی زبانِ مبارک سے نکلے گئے ہیں - قابل دید ہے خوشخط - کاغذ اعلٰے - قیمت ۲/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیاتِ فردوسی

یعنی

شیخ ابوالقاسم فردوسی کی سوانحعمری

نحمدہٗ ونستعینہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وہ رزمیہ نظم یعنے شاہنامہ جس نے اس کے قابل اور ذہین مصنف کے لیے شہرت عام کا حاصل کیا ہے ۔ بقول متوفی سرولیم جونس مشرقی ذہانت اور قابلیت کی ایک نیر فخر یادگار ہے جو اس پایہ کی ہے کہ ہومر کے ساتھ قابلیت ایجاد مقابلہ اور ہمسری کرے ۔"

علمی شہرت کی آرزو اور علم کی سایت و سرپرستی کے لئے ہمیشہ سے سلاطین مشرق موصوف ہیں ۔ چنانچہ خلیفہ ہارون الرشید کے نامور و قابل فرزند مامون الرشید نے ایک روز ہم جلیس علما سے اثنائے گفتگو میں پوچھا کہ اولوالعزم بادشاہوں کے ناموں کو زندہ رکھنے کے لئے اور خیرخواہوں کے دفتر میں نام لکھوانے کے لئے جو زمانہ مابعد تک قائم رہ سکے کس قسم کی یادگار چھوڑنا چاہیئے ۔ عبداللہ ابن المقفع نے کہا کہ نوشیرواں عادل نے رعایا کے استفادہ کے لئے اپنے وزیر اعظم بزرجمہر سے بید پا برہمن کی کتاب کلیلہ دمنہ کا ترجمہ کرایا اور شہرت عام حاصل کی ۔ مامون نے یہ سن کر وہ ترجمہ منگوایا اور نہایت ذوق اور شوق کے ساتھ اس کو پڑھا اور اپنے بیٹے کو حکم کیا کہ اس کا ترجمہ عربی میں کرے ۔ امیر سعید ناصر بن احمد نے جو سامانی شاہان خراسان میں سب سے نامور بادشاہ گذرا ہے اپنے وزیر خواجہ بلعمی کو حکم دیا کہ اس عربی ترجمہ کا فارسی ترجمہ کرے اور اپنے دربار کے معزز اور نامور شاعر رودکی سے کہا کہ اس کو شاعرانہ لباس پہنائے یعنی منظوم کرے ۔

اسی طور سے ساسانی اور اشکانی شاہان ایران کے عہد میں شاہان فارس کی تاریخ تیار کرنے کی غرض سے بڑی تلاش اور کوشش کی گئی کہ ایک معتبر ذخیرہ جمع کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے کافی ہوشہریار کے بیٹے یزدجرد کے عہد حکومت میں جب یہ سامان بہم پہنچا تو اس نے لائق اور قابل موبدوں کو طلب کر کے اس ذخیرہ کا ایک منتخب حصہ ان کے سپرد کیا۔ تاکہ وہ کیومرث کے زمانہ سے خسرو پرویز کے عہد حکومت تک ایران کی ایک صحیح تاریخ تیار کریں۔ بقول سر گور اوسلی جب ۱۶ھ ہجری مطابق ۶۳۶ء میں سعد وقاص نے یزدجرد پر فتح پائی تو اور غنیمت کے ساتھ یہ تاریخ بھی اُن کے ہاتھ چڑھی۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے تھوڑے سے حصہ کا ترجمہ کروایا۔ مگر چونکہ اس کا وہ حصہ جو اخلاقی اور عمدہ تصور کیا جاتا تھا محض قصوں سے بھرا ہوا تھا۔[1] سیدنا عمر نے حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک حدیث پڑھی اور اس تمام کو ناپسند فرمایا۔ مگر خوش قسمتی سے ایران کی دیگر غنیمت کے ساتھ یہ تاریخ بھی ملک حبش کو بھیجی گئی۔ اس نے گرانبہا تحفہ کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس کی چند نقلیں کرائیں اور ممالک مشرقی میں اپنے دوستوں کو بھیج دیں۔ جب اس طور سے یہ علمی خزانہ ضائع ہونے سے بچا اور محفوظ رہا تو رفتہ رفتہ وہ خراسان تک پہنچا۔ اس واقعہ کے قریب اڑھائی سو برس بعد یعنی ۲۶۰ھ ہجری میں یعقوب بن لیث نے اس طرف توجہ کی اور اپنے وزیر ابو منصور بن عبد الرزاق کو حکم کیا کہ اس تاریخ میں خسرو پرویز کے زمانے سے لے کر یزدجرد کے عہد تک کے حالات اضافہ کئے جائیں۔ ابو منصور ایک قابل شخص تھا اس نے اپنے بادشاہ کے حکم سے اہل علم و لائق و فائق مجوسیوں کی ایک مجلس بلائی اور شاہان ایران کی تاریخ میں یہ حالات اضافہ کرنے کی غرض سے ان سے تاریخی ذخیرہ کے انتخاب میں مدد لی اور اس میں دانشیر دہقان کی قدیم تاریخ بھی زیادہ کی جو اس عرصہ میں عبد الرزاق کے میر منشی سعد ابن منصور کی قابل قدر کوششوں سے فارسی میں ترجمہ ہو چکی تھی۔

جس کام کے لئے یعقوب بن لیث نے اپنے وزیر کو انتخاب کیا اس کام کے انجام دینے کے لئے اس سے بہتر انتخاب نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ابو منصور خود سپہبد[2] کی نسل سے تھا اور اپنے

---

[1] حضرت عمر کے حالات میں البتہ اس قسم کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ فتح مداین میں ایک کتاب ملی تھی جس کی ایک شخص نے آپ کے سامنے بہت تعریف کی۔ حضرت عمر کے ناراض ہونے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب قصہ کہانیوں کی تھی اور آپ نے اس ریمارک کرتے وقت یہ آیت پڑھی تھی نحن نقص علیک احسن القصص

[2] سپہبد سلاطین طبرستان کے لئے ایک مخصوص لفظ ہے جیسا کہ تاتاری بادشاہ کیلئے خان اور روم کے لئے لفظ قیصر۔ قیاطع برہان

علمی ذوق و شوق کے ساتھ اس کی یہ دلی آرزو اور تمنا تھی کہ اپنے شاہی بہادر اجداد کی پر فخر اور قابل یادگار کارناموں کو لکھے۔ اس نے اطراف سے عالموں کو دربار میں بلایا اور اُن لوگوں کو بڑے بڑے انعامات دیئے جو ایسی تصنیف تا پیش کر سکے کہ جن سے فارس کے قدیم تاریخی حالات کا پتہ چل سکتا تھا۔ اس نے چار زبردست عالم آتش پرست یعنی تاج خراسان کے لڑکے کو ہرات سے یزدانداد۔ شاہ پور کے لڑکے کو سیستان سے ماہوی۔ خورشید کے لڑکے کو نیشاپور سے اور شادان۔ برزین کے لڑکے کو طوس سے بلایا۔ اوران کو اپنے باپ کے میر منشی سعد بن منصور کے ساتھ کر دیا جس کے ہاتھوں سے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا وانشیر دہقان کی قدیم تاریخ کا ترجمہ ہو چکا تھا یہ پانچوں اس کے محل میں ملتے تھے اور متفرق اصلی تاریخی کتابوں سالوں اور تحریروں کو جمع کرتے تھے غرض ان کے مضامین کو نہایت احتیاط سے جمع کیا اوران کو ترتیب دیکر یزدجرد کے زمانہ تک شاہان ایران کی ایک تاریخ تیار کی۔ امیر ناصرالدین بن احمد کے عہد میں جس کی فیاضی اور سرپرستی نے شعرائے دنیا کے ہاتھوں میں رودکی کی منظوم کلیلہ دمنہ دیکر اس کو زیر بار احسان کیا ہے۔ ابوالفضل کے حکم سے دقیقی نے اس تاریخ کو نظم کرنا شروع کیا مگر قبل اس کے کہ وہ اس کو انجام کو پہنچائے اُس حسن کے جو یا نے اپنے ایک نوخرید تاتاری غلام کے ہاتھ سے خنجر کھا کر اس کام کو یونہی ناتمام چھوڑا۔ چنانچہ بہارستان جامی میں لکھا ہے "دقیقی رحمتہ اللہ علیہ از شعرائے متقدم است و در زمان دولت سامانیان بودہ است و ابتدائے شاہنامہ او کردہ است و ہشت ہزار بیت کم و بیش گفتہ۔"

جب خلافت بغداد میں تنزل واقع ہوا اور بجز خلافت بغداد کے تمام سلطنت ہاتھ سے نکل گئی۔ اس زمانہ میں اسمٰعیل سامانی صوبہ دار ماوراءالنہر اور خراسان کا بھی خلیفہ سے باغی ہو کر شاہ بخارا بن بیٹھا۔ اس کے پاس الپتگین ایک لائق و دانا ہوشیار غلام تھا۔ اسمٰعیل کے بعد بعض لوگوں نے اس کے بیٹے اور بعض نے اس کے چچا کو تخت نشین کرنا چاہا۔ مگر تقدیر کے کارخانے دیکھئے۔ کہ ارکین سلطنت نے خاندان شاہی کو سلطنت سے علیحدہ کر کے الپتگین کے سر پر تاج شاہی رکھا اب الپتگین ایک آزاد بادشاہ بن گیا۔ اور قندھار پر قبضہ کر کے اس نے غزنی کو اپنا دارالسلطنت بنایا الپتگین کی وفات کے بعد سبکتگین مالک سلطنت ہوا۔ یہ شخص شاہ فارس کی اولاد سے تھا۔ مگر گردش زمانہ سے آوارہ و خراب و خستہ ہو کے ایک سوداگر کے ہاتھ بکا اس نے اس کو الپتگین کے ہاتھ فروخت کیا۔ سبکتگین بڑا ہی ہوشیار اور چالاک تھا۔ رفتہ رفتہ سپہ سالار بن گیا۔ الپتگین نے

اس کی لیاقت و فراست سے خوش ہو کر اپنی لڑکی سے شادی کر دی۔ اس سلسلہ سے اس کو تخت
غزنی میسر آیا اور وہ شاہ افغانستان کہلایا۔ سلطان محمود اسی کا نامور فرزند ہے۔

سبکتگین ۲۰ برس سلطنت کر کے دنیا سے رخصت ہوا اور گھرانے میں سلطنت کی بنیاد ڈال گیا
سبکتگین کے بعد اس کا نامور بیٹا محمود تخت نشین ہوا۔ جو فتوحات عظمت و جلال میں باپ سے بھی بڑھ نکلا
علاوہ اس کے علمی لیاقت کی خوبیاں بھی اس میں تھیں۔ اہل علم و ہنر کی نہایت قدر کرتا تھا۔ اس نے اکثر
عالموں اور باکمالوں کو جمع کیا تھا۔ شعر و سخن کا بہت شوق رکھتا تھا۔ مگر افسوس کہ فردوسی کے باب
میں جو کیا اس سے قدردانی کے نام کو بٹہ لگا دیا۔ محمود کو شعرا کی صحبت اس قدر پسند خاطر تھی کہ تمام
اہل دربار اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے ان میں عنصری نہایت ہی ممتاز تھا۔ اور اعلےٰ درجہ رکھتا
تھا اور ملک الشعرا تصور کیا جاتا تھا۔ اس کی قابلیت و لیاقت کے علاوہ سلطان محمود کے چھوٹے
بھائی امیر ناصر کی سفارش نے بادشاہ کی نظر میں اس کو اور بھی عزیز بنا دیا تھا۔

ایک روز محمود کی محفل میں مجلس علما آراستہ تھی محمود نے کہا تعجب ہے کہ سیر الملوک (جس کی نسبت
کہا جاتا ہے کہ ابن المقفع کی زبانی روایتوں سے لکھی ہوئی تصنیف ہے) اور دوسرے شاہان
فارس کی تاریخیں اس عمدگی سے نظم نہیں کی گئیں کہ جیسی ملک فارس نے شاعری میں شہرت حاصل
کی ہے۔ عنصری نے دست بستہ ہو کر جواب دیا دقیقی نے اس کام کو شروع کیا تھا مگر عمر نے وفا نہ
کی اور وہ دفتر یوں ہی ناتمام رہ گیا۔ یہ سن کر محمود کو اس کار عظیم کی تکمیل کا خیال پیدا ہوا۔ اس نے
عنصری کو اس کام پر مامور کرنا چاہا اس نے عرض کی "یہ کام میرے بس کا نہیں" مگر فرمان شاہی سے
بھی کسی کو انکار ہو سکتا ہے۔ عنصری نے اپنی قابلیت جتا کر حتی الامکان کوشش کرنے کا وعدہ کیا
اب محمود کو کسی معتبر تاریخ کی تلاش ہوئی تاکہ عنصری پائدار سامان کے ساتھ اس عظیم الشان علمی عمارت کے
تیار کرنے میں مشغول ہو جائے خدا نے وہ بھی سامان بہم پہنچایا۔

خانہ جنگی اور حاکم ضلع کی دراز دستی سے مجبور ہو کر ایک نوخیز گبر نے جس کا نام خور فیروز تھا اور جو
نوشیروان عادل کی اولاد سے تھا اپنا وطن عزیز چھوڑا اور فارس سے منہ موڑا۔ اپنا غم و درد کہنے
اور حاکم ضلع کی ظلم ستانی کی شاہ سے داد پانے کی غرض سے اس نے سفر غزنی اختیار کیا۔ یہ آوارہ
اور خستہ حال غزنی میں تو پہنچا مگر قبل اس کے بادشاہ تک اس کی رسائی ہو۔ اس کو ایک مدت تک
مایوسی کی سخت گھڑیاں کاٹنی پڑیں چونکہ اس کے چہرے سے جس پر قابلیت اور لیاقت کے آثار
پائے جاتے تھے ایک غم و حسرت برس رہی تھی۔ ایک جوان امام نے جس کو بادشاہ کا تقرب حاصل تھا

اس کے حالات کو سن کر اس پر ترس کھایا اور راہ نکالی کہ اس کی دستگیری اپنا فرض جان کے بادشاہ کے دربار تک اس کی رسائی کردی پہلے پہل جب وہ باریاب ہوا تو یہ دیکھکر کہ سلطانی دائرہ میں ہر ایک اپنا اپنا راگ گنگنا رہا ہے ۔ اور کوئی ایسا نہیں جو شعر و شاعری کے اوصاف سے مستثنیٰ ہو حتےٰ کہ شاہ کے نزدیک جو زیادہ عزیز تھا وہ بھی ایک نامور شاعر عنصری تھا خور فیروز کو سخت تعجب ہوا اور اپنے ذاتی معاملات کو پیش کرنے میں ہچکچایا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اس زمرہ میں کوئی اس قابل نہیں جس کی معرفت سے میں اپنے معاملات کو شاہ کے روبرو پیش کرسکوں ۔ جب خور فیروز دربار سے واپس پھرا تو اپنے دوست امام سے کہ جس کی وساطت سے دربار میں رسائی حاصل کی تھی دربار کی کل کیفیت کہہ سنائی ۔ اس نے بادشاہ کے عام اخلاق و عادات سے خور فیروز کو آگاہ کیا اور شاہ محمود کے دل پر اپنا قابو حاصل کرلیا ہے ۔ ایک نامی گرامی شاعر عنصری ہے اس کی شاعرانہ لیاقت اور بلند خیالی نے بادشاہ کی نظروں میں نہایت وقعت حاصل کی ہے ۔ حتےٰ کہ سلطان کو بادشاہان فارس کی ایک مستند و معتبر تاریخ کی بھی تلاش ہے تاکہ عنصری اس کو نظم کرے اور علمی دنیا میں محمود و عنصری دونوں کا نام روشن ہو ۔ یہ سنکر خور فیروز کو جو کچھ خوشی حاصل ہوئی وہ اس کے دل ہی سے پوچھا چاہیئے ۔ درباری ۔ موجودہ حالت کو وہ تاسف کر رہا تھا ۔ اب اس کا تہی تاسف مبدل بخوشی ہوا کیونکہ محمود کو جس کتاب کے ملنے پر ایک عظیم الشان کام کی بنا پڑنے والی تھی وہ نایاب قدیم اور معتبر تاریخ کا نسخہ فارسی میں اس کے ہاں موجود تھا امام نے جب اپنے دوست کی زبانی یہ حقیقت سُنی نہایت خوش ہوا ۔ اب اُسے فیروز کی مدد کرنے کا ایک نہایت ہی عمدہ موقعہ ہاتھ لگا ۔ اس نے بادشاہ کو جا خوشخبری سنائی کہ بندہ پرور میرا ایک دوست خور فیروز نامی اپنے وطن میں ایک ہی نایاب تاریخ کا نسخہ رکھتا ہے جو حضور والا کے مقصد کے لئے کافی ہے اور ایک مدت سے جس کی تلاش میں حضور کے نمک خوار حیران و سرگرداں ہیں ۔ محمود کے لئے اس سے زیادہ اور کیا خوشی کا مژدہ ہوسکتا تھا ۔ محمود نہایت شاد ہوا ۔ اب خور فیروز کے بخت نے یاوری کی ۔ حکم ہوا کہ وہ اپنے خاندان کو اس تاریخ کے لئے ایک خط لکھے اور فارس سے وہ تاریخ منگا بھیجے بلکہ محمود نے اپنا قاصد بھی روانہ کردیا کہ خور فیروز کا خط لیجائے اور وہ نادر نسخہ مطلوبہ اپنے ہمراہ لے آئے ۔ خور فیروز نے اپنے رشتہ داروں کے نام ایک خط دیا جب محمود کا قاصد فارس میں گیا اور خور فیروز کا خط اس کے رشتہ داروں کے پیش کیا تو انہوں نے بخوشی تمام وہ کتاب اس کے حوالے کی ۔ اب کیا دیر تھی خور فیروز کی وہ تمام تکالیف جس کے لئے اس نے یہ سفر اپنی جانِ عزیز پر گوارا کیا تھا اور یہاں تک آنے کی تکلیف اٹھائی تھی خود آ رفع ہوگئیں ۔

اسی زمانہ میں چونکہ محمود کی وسیع سلطنت میں یہ بات عام طور پر پھیل گئی تھی اور ہر طرف سے اس بات کا چرچا تھا کہ محمود کو شاہان فارس کی معتبر تاریخوں کی تلاش ہے بہت سی تاریخیں اطراف سے غزنی میں بھیجی گئیں وہ جو شاہ کرمان نے نذر بھیجی نہایت ہی نایاب معتبر و مستند تھی۔ یہ تاریخ گیوبہ آذر بیزن کی تالیف تھی جو شاہ یزدوالاکتاف کی اولاد سے تھا۔ ایک اور نسخہ مرو سے بھیجا گیا جس کا مولف سروزاد۔ زال رستم اور نریمان کے خاندان کا ایک شخص تھا۔ سروزاد نے اپنی اس تالیف میں بڑی محنتوں سے رستم اور دیگر بہتیرے شجاعوں کے تفصیلی حالات لکھے تھے۔ ان متفرق حصوں میں سے محمود نے شاہنامہ کی نظم کے لئے سات حصے انتخاب کئے اور عنصری کی نسبت کا خواہ اسے کتنا ہی اطمینان ہو اس نے اس بات کو نہایت ہی مناسب اور موزوں سمجھا کہ سات ہمعصر شعرائے نامدار کو شاہنامہ منظوم کرنے کے لئے حریف بنا دیا جائے۔ اس لحاظ سے محمود نے اپنے دربار کے سات شعرا کو انتخاب کی نظر سے دیکھا اور ہر ایک کو امتحاناً علیحدہ علیحدہ حصے نظم کرنے کے لئے سپرد کئے۔ مگر عنصری۔ فرخی۔ زینی عسجدی۔ منجنگ (الملقب بر بط نواز) خرجی اور ترمذی۔ ان سات منتخب شعرا کا حریف اور مدمقابل ایک اور شخص ہونے والا تھا جس کی لیاقت ان سب سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ اور نہ فقط ان لوگوں کی شہرت کو مٹانے والی بلکہ اپنے تمام ہمعصروں کی۔ فردوسی کے آگے ان لوگوں کا فروغ پانا مشکل تھا۔ کیونکہ وہ محض شاعر ہی نہ تھا بلکہ ایران کی قدیم تاریخ میں بھی اس کو دستگاہ حاصل تھی حکیم ابوالقاسم فردوسی جس کا اصلی نام حسن ابن اسحاق ہے ٹھیک موقعہ پر اتفاقاً غزنی میں آپہنچا تھا اس کے باپ کا نام اسحاق بن شرف شاہ تھا جس کو بعض فخر الدین احمد بھی پکارتے تھے اور وہ عامل طوس کے چہار دیم باغ موسوم بہ فردوس کی باغبانی کرتا تھا۔

جب فردوسی ضلع طوس ملک خراسان کے ایک قصبہ شاداب میں ۳۲۱ھ ہجری مطابق ۹۲۷ء[1] میں پیدا ہوا تو ایک روز اس کے باپ اسحاق نے خواب دیکھا کہ اس کا ننھا بچہ بام پر چڑھا ہے اور ہر چہار جانب رخ کر کے زور زور سے پکار رہا ہے اور ہر طرف سے اس کے جواب میں آوازیں آرہی ہیں۔ صبح کو اٹھا اور شیخ نجم الدین معبر کی خدمت میں حاضر ہوا اور رات کی کیفیت سنائی۔ انہوں نے اس خواب کی یہ تعبیر بتلائی کہ تیرا لڑکا صاحب علم ہوگا اور ہر چہار گوشہ عالم میں اس کی عالمگیر شہرت پھیلے گی۔ اس بیان نے اسحاق کے دل میں ایک تحریک پیدا کر دی اور وہ بیٹے کی تعلیم و تربیت میں بشوق تمام سرگرم ہوا۔ فردوسی جب چھ برس کا ہوا۔ اس کی تعلیم شروع ہوئی

[1] ایک تذکرہ میں تاریخ پیدائش ۹۴۰ء لکھی ہے۔

اس کے حالات کو سُن کر اس پر ترس کھایا اور اس کی اس کی دستگیری اپنا فرض جان کے بادشاہ کے دربار تک اس کی رسائی کر دی پہلے پہل جب وہ باریاب ہوا تو یہ دیکھ کر کہ سلطانی دائرہ میں ہر ایک اپنا اپنا راگ گنگنا رہا ہے۔ اور کوئی ایسا نہیں جو شعر و شاعری کے اوصاف سے مستثنےٰ ہو حتےٰ کہ شاہ کے نزدیک جو زیادہ عزیز تھا وہ بھی ایک نامور شاعر عنصری تھا خور فیروز کو سخت تعجب ہوا اور اپنے ذاتی معاملات کو پیش کرنے میں ہچکچایا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اس زمرہ میں کوئی اس قابل نہیں جس کی معرفت سے میں اپنے معاملات کو شاہ کے روبرو پیش کر سکوں۔ جب خور فیروز دربار سے واپس پھیرا تو اپنے دوست ماہم سے کہ جس کی وساطت سے دربار میں رسائی حاصل کی تھی دربار کی کل کیفیت کہہ سنائی۔ اس نے بادشاہ کے عام اخلاق و عادات سے خور فیروز کو آگاہ کیا اور شاہ محمود کے دل پر اپنا قابو حاصل کر لیا ہے۔ ایک نامی گرامی شاعر عنصری ہے اُس کی شاعرانہ لیاقت اور بلند خیالی نے بادشاہ کی نظروں میں نہایت وقعت حاصل کی ہے۔ حتےٰ کہ سلطان کو بادشاہان فارس کی ایک مستند و معتبر تاریخ کی بھی تلاش ہے تاکہ عنصری اس کو نظم کرے اور علمی دنیا میں محمود و عنصری دونوں کا نام روشن ہو۔ یہ سنکر خور فیروز کو جو کچھ خوشی حاصل ہوئی وہ اس کے دل ہی سے پوچھنا چاہیئے۔ درباری موجودہ حالت کو وہ تاسف کر رہا تھا۔ اب اس کا یہی تاسف مبدل بخوشی ہوا کیونکہ محمود کو جس کتاب کے ملنے پر ایک عظیم الشان کام کی بنا پڑنے والی تھی وہ نایاب قدیم اور معتبر تاریخ کا نسخہ فارس میں اس کے ہاں موجود تھا ماہم نے جب اپنے دوست کی زبانی یہ حقیقت سُنی نہایت خوش ہوا۔ اب اُسے فیروز کی مدد کرنے کا ایک نہایت ہی عمدہ موقعہ ہاتھ لگا۔ اس نے بادشاہ کو جا خوشخبری سنائی کہ بندہ پرور میرا ایک دوست خور فیروز نامی اپنے وطن میں ایک ہی نایاب تاریخ کا نسخہ رکھتا ہے جو حضور والا کے مقصد کے لئے کافی ہے اور ایک مدت سے جس کی تلاش میں حضور کے نمک خوار حیران و سرگرداں ہیں۔ محمود کے لئے اس سے زیادہ اور کیا خوشی کا مژدہ ہو سکتا تھا۔ محمود نہایت شاد ہوا۔ اب خور فیروز کے بخت نے یاوری کی۔ حکم ہوا کہ وہ اپنے خاندان کو اس تاریخ کے لئے ایک خط لکھے اور فارس سے وہ تاریخ منگا بھیجے بلکہ محمود نے اپنا قاصد بھی روانہ کر دیا کہ خور فیروز کا خط لیجائے اور وہ نادر نسخہ مطلوبہ اپنے ہمراہ لے آئے۔ خور فیروز نے اپنے رشتہ داروں کے نام ایک خط دیا جب محمود کا قاصد فارس میں گیا اور خور فیروز کا خط اس کے رشتہ داروں کے پیش کیا تو انہوں نے بخوشی تمام وہ کتاب اس کے حوالے کی۔ اب کیا دیر تھی خور فیروز کی وہ تمام تکالیف جن کے لئے اس نے یہ سفر اپنی جانِ عزیز پر گوارا کیا تھا اور یہاں تک آنے کی تکلیف اُٹھائی تھی فوراً رفع ہو گئیں۔

کے قبل ہی شاہنامہ کو نظم کرنا شروع کر دیا تھا۔ بلکہ ضحاک۔ فریدوں اور سیاوش کے حالات کو نظم کر چکا تھا۔ فردوسی غزنی میں ایسے وقت آپہنچا جبکہ مذکورہ بالا ساتوں شاعر اپنی اپنی محنت اور لیاقت کے نمونے کو دربار شاہی میں پیش کر چکے تھے۔ عنصری نے جو کچھ لکھا تھا وہ باپ بیٹے رستم وسہراب کے مابین کی لڑائی کا حال تھا۔ جب یہ ساتوں حصے دربار میں پیش ہوئے تو بالاتفاق فضیلت کی نگاہ سے وہی دیکھا گیا جس پر ہمیشہ محمود کی نظر عنایت تھی۔

فردوسی کے سفر غزنی اختیار کرنے کی ایک اور روایت اس طرح پر ہے کہ طوس سے نکلنے کے پیشتر اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ دقیقی نے شاہنامہ نظم کرنا شروع کیا تھا مگر مرگ نے دقیقی کے ہاتھ سے اس کو اختتام کو پہنچنے کی نوبت آنے نہ دی۔ فردوسی کو یہ بھی خبر لگ چکی تھی کہ محمود شاہ کی یہ دلی آرزو تھی کہ اس کو تکمیل کو پہنچا دے۔ فردوسی نے ارادہ کر لیا تھا کہ شاہنامہ منظوم کرنے کا میں ذمہ لوں گا کیونکہ اس کی تکمیل کے معاوضہ میں علاوہ شہرت عام کے زر کثیر بھی ملنے والا تھا اس قدر جس سے کہ ایک سرا اور پل وہ (فردوسی) اپنے پیدائشی شہر میں تعمیر کرا سکے جس کے باندھنے کی بڑی آرزو اور تمنا تھی چونکہ ایران کی قدیم تاریخ کا اس کے پاس کوئی نسخہ نہ تھا جس کی بنا پر وہ شاہنامہ نظم کر سکتا اس لئے اس کو کف افسوس ملنا پڑا اور اس نے مایوس ہو کر اس کام سے ہاتھ اٹھا یا اس ارادہ سے باز آنے کے بعد ایک روز وہ اپنے جانی دوست محمد لشکری سے اپنی ناکامی پر افسوس کر رہا تھا کہ اس نے نہایت خوش ہو کر کہا اے دوست یہ افسوس کا مقام نہیں جائے شکر ہے کہ میرے پاس ایک کامل نسخہ موجود ہے اور وہ تمہارے لئے نہایت مفید ہوگا۔ ضرور تم اپنے کام کو شروع کرو۔ محمد لشکری کے اس طرح دل بڑھانے کے بعد فردوسی میں کچھ ہمت تو پیدا ہو گئی اس پر طرہ یہ ہوا کہ محمد معشوق جو طوس کے ایک بہت بڑے بزرگ تھے اور خدا نے ان کی زبان میں ایسی کچھ تاثیر دی تھی کہ جو ان کی زبان سے نکل جاتا تھا ہو تا بھی وہی تھا۔ انہوں نے فردوسی سے کہا بیٹا ہراساں کیوں ہے جا دنیا بھر کی شہرت تیرے لئے ہے اور تو ضرور کامیاب ہوگا اپنا کام جلد شروع کر۔ ان بزرگ کے ایسے ہمت دہ کلمات سنکر فردوسی کو پورا اطمینان اور استقلال حاصل ہو گیا۔ اس نے فریدوں وضحاک کی لڑائی کا حال نظم کیا جس نے سنا واہ واہ اور تحسین وآفرین کی خصوصاً حاکم طوس ابو منصور نے اس کے صلے میں اس کو انعام واکرام سے بھی سرفراز فرمایا بلکہ وعدہ بھی کیا کہ تمام کتاب جب نظم ہو گی تو میں تجھ کو محمود شاہ تک پہنچا دونگا۔ مگر فردوسی کے یہ تمام خیالات ایسے زبردست اور نہایت ضروری دوست (حاکم طوس) کے مرنے سے بالکل باطل ہو گئے جس کے لئے اس نے

شاہنامہ میں محمد لشکری کے ذکر کے بعد نہایت ہی اظہار غم کیا ہے۔

مجالس المومنین کے مصنف نور اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب فردوسی طوس کے باغ میں اپنے باپ کے ساتھ رہتا تھا اس وقت سب سے زیادہ لطف اس کو اسی میں حاصل ہوتا تھا کہ وہاں سے گذرنے والی نہر کے کنارے شاہنامہ نظم کرتے ہوئے بیٹھتا اور اور کوئی چیز اس کو زیادہ مغموم اور رنجیدہ خاطر نہیں بناتی جیسی کہ اس نہر کی طغیانی۔ تاہم اس کو یہ اطمینان تھا کہ اگر خدا نے مجھ کو اس کام میں کامیابی دی تو میں اسی کے ذریعہ سے اس نہر پر ایک پل تعمیر کراؤں گا۔

ابو منصور کی وفات کے بعد سلطان نے ارسلاں خاں کو اس کا جانشین بنایا اور چونکہ فردوسی کے نام نے غزنی میں شہرت حاصل کی تھی طوس کے نئے گورنر کو حکم ہوا کہ فردوسی کو جلد دار الخلافہ میں روانہ کردے فردوسی کو اپنے وطن مالوف سے نہایت رنجیدگی کے ساتھ جدا ہو کر غزنی کی طرف رخ کرنا پڑا اگر ہرات میں پہنچنے کے بعد بدیع الدین (جو ایک وزیر تھا) اور عنصری کی سازشوں نے فردوسی کو آگے بڑھنے نہ دیا وہ چونک پڑے ہمارا اقتدار جاتا رہے اور وہ یہاں آکر سلطان کے نزدیک عزیز نہ بن جائے عنصری نے دوستانہ لباس میں فردوسی کے پاس ایک قاصد روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ تیری یہاں قدر نہ کی جائے گی۔ کیونکہ سلطان کے اب وہ خیالات نہ رہے اور نہ محمود اب وہ محمود ہے۔ یہ بات سن کر فردوسی کو ایک خیال سا پیدا ہوا۔ وہ اس فکر میں لگا ہوا تھا کہ اب میں طوس کو واپس جاؤں یا نہ جاؤں۔ ان کی طرف سے اس کو یہی بدگمانی ہوئی کہ یہ ان کی سازش تو نہ ہو وہ اس کشمکش میں ہرات کی سرا میں ٹھہرا ہوا تھا کہ بدیع الدین کی طرف سے اس کو ایک نامہ ملا جس نے اس کے شک کو مبدل بہ یقین کر دیا اول اول تو اس سازش میں بدیع الدین بھی شریک تھا مگر چونکہ اس کے اور عنصری کے درمیان بگاڑ ہوا اس نے یہ راز فردوسی پر فاش کر دیا اب فردوسی نے بھی اپنے دل میں قطعی فیصلہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہو غزنی جانا چاہیئے۔ فردوسی شب کے وقت غزنی میں پہنچا اور تھکا ماندہ ہونے کی وجہ سے شہر کے کنارے پر ایک باغ تھا اس میں جا اترا حسن اتفاق سے عنصری بھی فرخی اور عسجدی کے ساتھ وہیں ٹھہرے ہوئے تھے اور ایک دوستانہ صحبت کا لطف اٹھا رہے تھے فردوسی اگرچہ میلے کپڑے اور پھٹے لباس میں تھا اور اس قابل نہ تھا کہ ایسے عالی رتبہ لوگوں کے روبرو جا کھڑا ہوتا تاہم اس نے خیال کیا کہ ان ذی اقتدار لوگوں کی معرفت جو غالباً محمود کے دربار کے بڑے امرا سے ہونگے بادشاہ کے آگے اپنی فریاد پہنچانے کے ایسے عمدہ موقعہ کو ہاتھ

سے نہ دینا چاہیئے۔ جب عسجدی اور فرخی نے اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو اس خیال سے کہ زاہد خشک ہماری مجلس عیش کو منغص کرے گا مضحکہ اور قہقہہ سے اسے ٹال دینے کا ارادہ کیا مگر عنصری نے اس بات کو ناپسند کیا اور کہا کہ شاید ہمارا خیال غلط ہو اور ممکن ہے کہ ظاہر صورت کو دیکھکر ہم دھوکا کھاتے ہوں اگر تم اسے ٹال ہی دینا چاہتے ہوں تو اس سے بہتر تدبیر میں بتاتا ہوں جب عنصری نے اپنی تدبیر بتائی تو سب نے اس کی رائے پسند کی۔ اس عرصہ میں فردوسی نزدیک آپہنچا اور سلام کیا۔ عنصری نے فردوسی کے سلام کا جواب دیکر کہا کہ بھائی ہم تینوں بادشاہی شاعر ہیں اور آج کی شب کو ایک لطف کی صحبت میں گذارنے کے لئے شہر کے شور و غوغے کو چھوڑکر اس باغ میں آئے ہیں اگر کوئی شخص ہمارے اس جلسہ میں شریک ہونا چاہے تو ہم اس کو ناموزوں نہیں سمجھتے بشرطیکہ وہ شاعر ہو مگر کسی اور کو ہم اپنے ساتھ شریک نہیں کرسکتے فردوسی نے خندہ پیشانی سے کہا کہ غلام بھی تو خادم الشعرا ہے۔ عنصری کو یہ سنکر حیرت ہوئی اس نے کہا کہ ہماری صحبت میں شریک ہونے کے یہ شرائط ہیں کہ ہم تینوں ایک ہی بحر و قافیہ کا ایک مصرعہ کہیں گے اگر جناب بھی اس کا چوتھا مصرعہ کہدیں تو ہمارے ساتھ بلا عذر شریک ہوسکتے ہیں مگر بحر و قافیہ میں اگر کہیں ذرا بھی نقص ہوگا تو اس حالت میں آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہ ہوگا۔ فردوسی نے ان شرائط کو منظور کیا۔ عنصری اور اس کے دوست تو نہایت خوش ہوئے کیونکہ ان کو یقین تھا کہ یہ شخص شعر کیا خاک کہہ سکے گا اور روشن گلشن جوشن (ان کے سوچے ہوئے قافیے) کا چوتھا قافیہ خاک پیدا کرے گا۔

عنصری نے کہا "چوں عارض تو ماہ نباشد روشن"

عسجدی " "مانند رخت گل نبود در گلشن"

فرخی "مژگانت ہمی گذر کند از جوشن"

جب فردوسی کی باری آئی تو اُسے قافیہ کی تلاش ہوئی فوراً اسے شہنامہ کے ایک بہادر کا نام یاد آگیا جو ان تینوں لفظوں کا ہم قافیہ تھا اسی وقت ایک مصرعہ موزوں کیا اور کہا ؎

"مانند سنانِ گیو در جنگ پشن"

یہ سنکر عنصری نے فردوسی کی اس حاضر طبیعت پر نہایت تحسین و آفرین کی اور اُسے اپنے نزدیک بٹھاکر بہت دیر تک گفتگو کی اور جنگ پشن کے حالات دریافت کئے اثنائے گفتگو میں عنصری کو فردوسی کی شاعرانہ زوردار طبیعت اور قدیم تاریخ ایران سے واقفیت

کا یقین ہوگیا اور اس کے دل میں نہایت ہی ناگوار اور رنا ریبا خیالات پیدا ہوئے کہ دربار تک اس کی رسائی ہونے نہ پائے مبادا یہ بادشاہ کی نظر میں عزیز اور میرا حریف مقابل بن جائے
فردوسی نے جب عنصری اور اس کے دوستوں کی ملاقات سے اپنا کام نہ بنتا دیکھا تو گراں دل ہوکر شہر کی جانب روانہ ہوا۔ قسمت کی خوبی دیکھو کہ ایک شخص سے جو محمود کا ندیم تھا اس کی ملاقات ہوئی۔ وہ فردوسی کا کلام سن کر نہایت شاد ہوا۔ اپنے گھر اس کی دعوت کی اور اس کے تمام حال سے آگاہ ہوا۔ فردوسی نے دریافت کیا آیا ممکن ہے کہ کسی طرح دربار میں میری رسائی ہو مگر ماہک محمود کے ندیم کو یہ مجال کہاں تھی کہ حضور سلطانی میں اپنے ہمراہ اسے لیجا سکے چونکہ ماہک اور فردوسی کے درمیان ایک گاڑھی دوستی پیدا ہوئی وہ اکثر فردوسی کی صحبت کو محمود کی محفل نشاط پر ترجیح دیتا اور خفیہ فردوسی کی صحبت میں شب بسر کرنے کے لئے چلا آتا۔ ایک شب اثنائے گفتگو میں ماہک نے فردوسی کو شاہنامہ کی نظم کا وہ تمام قصہ سات شعرائے دربار کو منتخب کرنے اور ان مختلف حصوں کو نظم کرنے کے لئے دینے کا کہہ سنایا۔ یہ بھی کہا کہ ان میں عنصری نے سہراب کی جو سرگذشت لکھی وہ نہایت مقبول ہوئی خصوصاً اس کے دو شعر بادشاہ کو نہایت پسند آئے۔ یہ دو شعر باپ بیٹے رستم سہراب کی جنگ آزمائی کے اس موقع پر آئے ہوئے ہیں جہاں رستم نے اپنے نہ پہچانے ہوئے بیٹے کو پچھاڑا ہے۔ خنجر آبدار کھینچے ہوئے اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا ہے اور اس کشمکش و پیچ میں ہے کہ حریف کو قتل کروں یا نہ کروں اس وقت سہراب کہتا ہے۔

ہر آنگہ کہ تشنہ شدی تو بخوں زمانہ بہ خون تو تشنہ شدہ	بیالودی آں خنجر آبگوں باندام تو موئے دشنہ شدہ

فردوسی نے یہ سن کر کہا کہ جواہر داستان ملوک عجم را بہل ازیں سفتہ اند و بسیار بہتر از عنصری گفتہ اند۔ دوسرے روز رستم اور اسفندیار کی داستان نہایت ہی عمدہ پیرائے میں نظم کی اور شام کو اپنے دوست ماہک کو سنائی۔ ماہک اس عمدہ اور بے مثل رزمیہ نظم کو سنکر نہایت خوش ہوا جس میں پوری پوری شاعرانہ قابلیت صرف کی گئی تھی اس نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کی غرض سے فردوسی سے اس نظم کا مسودہ لے لیا مگر اب تک اس کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ فردوسی کی لیاقت کا نمونہ ہے صبح کو جب ماہک نے وہ داستان سر دربار پڑھ سنائی تو تمام اراکین دولت اور حضار مجلس عش عش کرنے لگے اور سب نے یکزبان ہو کر

سے نہ دینا چاہیئے۔ جب عسجدی اور فرخی نے اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو اس خیال سے کہ زاہد خشک ہماری مجلس عیش کو منغص کر دے گا مضحکہ اور قہقہہ سے اسے ٹال دینے کا ارادہ کیا مگر عنصری نے اس بات کو ناپسند کیا اور کہا کہ شاید ہمارا خیال غلط ہو اور ممکن ہے کہ ظاہر صورت کو دیکھکر ہم دھوکا کھاتے ہوں اگر تم اسے ٹال ہی دینا چاہتے ہوں تو اس سے بہتر تدبیر میں بتاتا ہوں جب عنصری نے اپنی تدبیر بتائی تو سب نے اس کی را۔ پسند کی۔ اس عرصہ میں فردوسی نزدیک آپہنچا اور سلام کیا۔ عنصری نے فردوسی کے سلام کا جواب دیکر کہا کہ بھائی ہم تینوں بادشاہی شاعر ہیں اور آج کی شب کو ایک لطف کی صحبت میں گذارنے کے لئے شہر کے شور و غوغے کو چھوڑ کر اس باغ میں آئے ہیں اگر کوئی شخص ہمارے اس جلسہ میں شریک ہونا چاہے تو ہم اس کو ناموزوں نہیں سمجھتے بشرطیکہ وہ شاعر ہو مگر کسی اور کو ہم اپنے ساتھ شریک نہیں کر سکتے فردوسی نے خندہ پیشانی سے کہا کہ غلام بھی تو خادم الشعرا ہے۔ عنصری کو یہ سُنکر حیرت ہوئی اس نے کہا کہ ہماری صحبت میں شریک ہونے کے یہ شرائط ہیں کہ ہم تینوں ایک ہی بحر و قافیہ کا ایک مصرعہ کہیں گے اگر جناب بھی اس کا چوتھا مصرعہ کہدیں تو ہمارے ساتھ بلا عذر شریک ہو سکتے ہیں مگر بحر و قافیہ میں اگر کہیں ذرا بھی نقص ہو گا تو اس حالت میں آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہ ہو گا۔ فردوسی نے ان شرائط کو منظور کیا۔ عنصری اور اس کے دوست تو نہایت خوش ہوئے کیونکہ ان کو یقین تھا کہ یہ شخص شعر کیا خاک کہہ سکے گا اور روشن گلشن جوشن (ان کے سوچے ہوئے قافیے) کا چوتھا قافیہ خاک پیدا کرے گا۔

عنصری نے کہا "چوں عارض تو ماہ نباشد روشن"

عسجدی " "مانند رخت گل نبود در گلشن"

فرخی "مژگانت ہمی گذر کند از جوشن"

جب فردوسی کی باری آئی تو اُسے قافیہ کی تلاش ہوئی غور کے اسے شہنامہ کے ایک بہادر کا نام یاد آگیا جو ان تینوں لفظوں کا ہم قافیہ تھا اسی وقت ایک مصرعہ موزوں کیا اور کہا ؎

"مانند سناں گیو در جنگ پشن"

یہ سُنکر عنصری نے فردوسی کی اس حاضر طبیعت پر نہایت تحسین و آفرین کی اور اُسے اپنے نزدیک بٹھاکر بہت دیر تک گفتگو کی اور جنگ پشن کے حالات دریافت کئے اثنائے گفتگو میں عنصری کو فردوسی کی شاعرانہ زور دار طبیعت اور قدیم تاریخ ایران سے واقفیت

نہایت خوش ہوا۔ یہ سب کچھ فردوسی کی خوش اقبالی کی تمہید تھی بعد مراسم خسروانہ بجا لا کر فردوسی نے عرض حال کیا۔ اہل دربار کو نہایت استعجاب ہوا۔ جب انہوں نے یہ معلوم کیا کہ وہ نظم جس نے دربار کو حیرت میں ڈالدیا تھا کسی ایسی کتاب سے نہ تھی جس کا کہ وہ فردوسی کو مالک سمجھ رہے تھے بلکہ وہ اس شخص کی خاص طبعزاد تھی جس نے ابھی دربار میں حاضر ہو کر ہو دکی طرح سرائی کر کے اپنی زور طبیعت کا نمونہ اور لیاقت کے جوہر دکھلائے تھے۔

سلطان محمود نے فردوسی سے بہت سے سوالات کئے جو زیادہ تر تاریخ فارس کے متعلق تھے اور ایسے تسلی بخش جوابات پائے کہ جن سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ ملوک عجم کی تاریخ کے نظم کرنے کا کام اگر کسی کے سپرد کیا جا سکتا ہے تو یہی ایک شخص اس قابل ہے۔ محمود نے طوس اور باشندگان شہر کے حالات استفسار کرتے ہوئے یہ بھی پوچھا کہ طوس کا بانی کون ہے اور اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔ فردوسی نے کہا کہ اول اول اس شہر کو جمشید پیشدادی نے آباد کیا تھا مگر پھر وہ ویران ہو گیا۔ کیخسرو نے اپنے عہد حکومت میں اپنے سردار طوس کو جو نوذر بن منوچہر کا بیٹا تھا۔ توران بھیجا تاکہ وہاں جا کر افراسیاب سے سیاوش پدر کیخسرو کے قتل کا انتقام لے جاتے ہوئے تاکید کی کہ جوران اور کلات کے ضلعوں میں سے ہو کر نہ گذرنا کیونکہ یہ اضلاع میرے بھائی فرود کے زیر حکومت ہیں مبادا انہیں کوئی ناگوار چھیڑ چھاڑ ہو۔ طوس نے کیخسرو کے حکم کی تعمیل نہ کی اور فرود کے ضلعوں سے ہو کر گذرا نتیجہ یہ ہوا کہ طوس اور فرود کے درمیان ایک خونریز لڑائی ہوئی اور فرود میدان جنگ میں مارا گیا۔ افراسیاب نے کیخسرو کے باپ کو تو قتل کیا ہی تھا کیخسرو کا سردار جو اس سے انتقام لینے نکلا تھا انتقام تو درکنار خود بادشاہ کے بھائی فرود کو قتل کر بیٹھا اب اسے کیخسرو کو منہ دکھانے کی کوئی صورت نہیں رہی تو قلعہ کلات سے واپس ہوتے وقت ضلع خراسان میں جہاں وہ ٹھہرا تھا ایک شہر آباد کیا اور بادشاہ سے قطع تعلق کر کے وہاں کا خود سر حاکم ہو بیٹھا وہ نئی بستی جس کا بانی اول جمشید تھا اب از سر نو آباد ہونے کے بعد اپنے دوسرے بانی طوس کے نام سے مشہور ہوئی اس بیان نے محمود کی رائے کو اور زیادہ مستحکم بنا دیا جو اس نے فردوسی کی قدیم تاریخ دانی کی نسبت قائم کی تھی۔ محمود نے عنصری عسجدی۔ فرخی اور فردوسی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تم چاروں ملکے ایک رباعی کہو انہوں نے وہی رباعی جو کہ درج ہو چکی عرض کی۔ فردوسی کا مصرعہ "مانند سنان گیو در جنگ پشن" سنکر محمود نے داستان گیو و پشن بیان کرنے کی فرمائش کی جس کو فردوسی نے

شرح دار بیان کیا اور تمام اہل دربار محظوظ ہوئے۔
محمود کے دربار کی زینت ان سات شاعروں سے تھی جن کے نام ہم اول لکھ چکے ہیں مگر آج فردوسی کیلئے ایک ایسی خوش اقبالی کا روز ہے کہ یہ ساتوں شاعر اوران کے آگے آگے دربار کا ملک الشعرا عنصری فردوسی کے ہاتھ پر بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں بادشاہ نے فردوسی کو خلعت فاخرہ مرحمت فرمائی اور اس کو شاہنامہ کی نظم پر مامور کیا اس وقت محمود نے شعرائے دربار سے فرمائش کی کہ دو بیت ایاز کی تعریف میں کہی جائیں انہوں نے ازراہ ادب فردوسی کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے اسی وقت ایک رباعی کہی جس کو سنکر محمود نہایت محظوظ ہوا۔ اور فرط خوشی میں بول اٹھا کہ "اے فردوسی مجلس مارا فردوس ساختی"۔ بعض اس روایت کو ہمارے ہیرو کے "فردوسی" تخلص اختیار کرنے کی وجہ بتاتے ہیں مگر غالباً یہ وجہ زیادہ صحیح ہے کہ حاکم طوس کے چہار باغ موسوم بہ فردوس کی باغبانی اس کے باپ اور بھائی کیا کرتے تھے۔ اور چونکہ اس نامور شاعر نے شاہنامہ بھی وہاں لکھنا شروع کر دیا تھا اپنا تخلص فردوسی رکھا ہو۔
مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ محمود نے حکم کیا کہ فردوسی کے لئے ایک خاص کمرہ ایوان شاہی میں آراستہ کیا جائے تاکہ فردوسی کو شاہنامہ نظم کرنے میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو اور نہ کوئی چیز اس کی پریشانی طبیعت کا باعث ہو۔ محمود نے اپنے زمانے کے نہایت لایق لایق مصوروں اور نقاشوں کو اس کام پر مامور کیا کہ اس کے کمرہ کو باعظمت بادشاہوں اور مسلح بہادروں کی تصویروں سے آراستہ کریں علاوہ اس کے شیر ہاتھی گھوڑوں کی شکلیں لڑائیوں اور محاصروں کے منظر شاہان ایران و توران کی تصویریں کھچوائیں غرضیکہ اور تمام اسباب کے مہیا کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا کہ جو فردوسی کے دل پر اس کے مناسب حال اثر نہ ڈال سکیں جب کبھی وہ اپنے مشغلہ سے ذرا فارغ ہو کر آرام کے لئے سر اٹھائے۔ ہر داستان کہ فردوسی تمام کرتا محمود کو سناتا۔ محمود سنکر نہایت محظوظ ہوتا۔ اور کہتا کہ مورخین سے انہیں باتوں اور داستانوں کو ہم نے سنا ہے مگر ایسے موزوں اور رنگین الفاظ میں کبھی نہیں سنا جیسا کہ فردوسی لکھا کرتا ہے اس کو جنگ و جدال اور معرکہ آرائیوں کے بیان میں اس قدر مہارت ہے شجاعوں اور بہادروں کے کارناموں کو بیان کرنے اور میدان جنگ کا منظر کھینچنے میں اس قدر دسترس حاصل ہے کہ اس کا طرز بیان خواہ مخواہ ایک سچا فوٹو آنکھوں کے سامنے کھڑا کر دیتا ہے۔
فردوسی کے ہمعصروں نے اس کی فضیلت کو تسلیم کیا ہے شعرائے نامدار نے اس کی شان میں

اشعار بھی کہے ہیں جیسا کہ ہم آگے لکھ چکے۔ خاقانی نے بھی فردوسی کی مدح سرائی کی ہے عنصری نے فردوسی کے ساتھ اول جو سلوک کیا تھا اہل دربار کے روبرو پچھاڑ ڈالا جس سے اس کو اس بات کا ثبوت دینا تھا کہ کوئی شخص خاطر خواہ بادشاہ کی آرزو کو پورا نہیں کرسکتا مگر فردوسی جب فردوسی شاہنامہ کی نظم پر مامور ہوا تو محمود نے اپنے وزیر کو ہر ہزار شعر پر ہزار اشرفیاں دینے کا حکم کیا تھا۔ خواجہ میمندی عہدہ وزارت پر ممتاز تھا دربار میں یہی ایک شخص تھا جس کا فردوسی سے دوستانہ تھا۔ فردوسی کی طبیعت اس بات کو گوارا نہیں کرتی تھی کہ بادشاہ کی شان میں جس قدر قصیدے کہے جاتے ہیں ایک وزیر کے لئے بھی کہے جائیں نہ وہ شعرائے دربار کے مانند حسن میمندی کے لئے قصیدے کہا کرتا تھا۔ اس مخالفت کے نتیجہ سے فردوسی کو اسلئے زیادہ تر بے پروائی تھی کہ اُسے بادشاہ کے قول و اقرار اور اس کی نظر عنایت پر بہت کچھ بھروسہ اور ناز تھا۔ پہلے وقت ہزار شعر کے صلہ میں ہزار دینار پانے کے بعد پھر وہ کبھی حسن میمندی کے نزدیک اس غرض سے نہ گیا اور نہ اپنے حق کی اشرفیاں طلب کیں عام تو یہ مشہور تھا کہ شاہنامہ اتمام کو پہنچنے کے بعد فردوسی یکمشت رقم لے گا تاکہ حسب خواہش طوس میں ایک سرائے اور پل تعمیر کرا سکے فردوسی کی ایسی ایسی حرکتیں وزیر اعظم کو نہایت ہی ناگوار معلوم ہوتی تھیں جن سے دربار کے حاسدوں کو بھی وزیر کے کان بھرنے کے اچھے موقعے ملتے تھے جب تیس سال کی سخت محنت کے بعد ساٹھ ہزار شعر لکھے گئے اور وہ وقت آپہنچا کہ فردوسی اپنی عرق ریزی کا صلہ پائے خواجہ حسن میمندی نے بادشاہ کو خزانے کی ابتر حالت بتلائی اور دست بستہ عرض کی کہ کوئی نظم کس قدر عمدہ کیوں نہ ہو اس کے صلہ میں اس قدر بڑی رقم دینا اور اپنے خزانے کو خالی کر دینا دانائی سے بعید اور تدبیر ملک کے خلاف ہے۔ وزیر کی ایسی ایسی باتوں سے ساٹھ ہزار دینار طلا کے عوض ساٹھ ہزار درم نقری پر بات ٹھہری اور یہ رقم فردوسی کو بھیجی گئی۔

ایاز نے فردوسی کو پہلے ہی جتلا دیا تھا کہ شاہنامہ میں خاندانی افتخار پہ زور نہ دینا مثلاً کیخسرو اپنے خاندان کا سلسلہ چھیڑتے ہوئے کہتا ہے کہ میں سیاوش کنعانی کی نسل سے ہوں جو کیکاوس کا پوتا ہے اور ماں کی طرف سے افراسیاب سفر یدوں اور پشنگ کے خاندان سے ہوں"۔ اسفندیار بھی رستم کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں گشتاسپ کا خون ہوں جو لہراسپ کا بیٹا ہے اور جو آزند شاہ کیقباد کے خاندان اور ہوشن کی اولاد سے ہے جس کیقباد کا سلسلہ فریدوں تک چلا جاتا ہے"۔ اگرچہ ایاز کی اطلاع نہایت دانشمندانہ تھی۔ مگر فردوسی نے اس پر مطلق التفات نہ کیا۔ شاہنامہ کے اختتام

کو پہنچتے تک محمود نے تصنیف اور مصنف دونوں کی نسبت بڑی بے پروائی برتائی شاہنامہ کی نظم کو اس قدر عرصہ دراز گذرا کہ محمود کی طبیعت دق ہوگئی اور اس کے کم ہونے والے مذاق اور زیادہ ہونے والی عمر نے اس کو تیار کیا کہ وہ فردوسی کے حاسدوں کی باتیں سنے۔

جب ایاز درم لیکر فردوسی کے پاس گیا تو وہ حمام میں تھا پہلے تو اس خیال سے کہ دینار طلا بھیجے گئے ہیں فردوسی بہت خوش ہوا مگر جب بے قدردانی کی حقیقت کھل گئی تو نہایت رنجیدہ ہوا اسی وقت ایاز اور مالک حمام کو بیس بیس ہزار درم دے ڈالے اور باقی بیس ہزار ایک فقاع کو دیدیئے اور اس سے چند پیالیاں پی اس کپڑے پہن لئے اور ایاز سے کہا کہ جو کچھ دیکھا بادشاہ سے عرض کر دینا۔ بادشاہ کو جب یہ حال معلوم ہوا نہایت برہم ہوا اور اس کے حاسدوں سے باز خواست کی کہ تمہارے کہنے پر عمل کرنے سے میں تیراکے تیر طعن کا نشانہ بن گیا انہوں نے بادشاہ کو کچھ تو اوندھی سیدھی باتیں سمجھادیں کچھ فردوسی پر رافضی ہونے کا اتہام لگایا۔ ادھر خواجہ حسن میمندی نے فردوسی کے ان اشعار پر

چہ گفت آں خداوند تنزیل و وحی	خداوند امر و خداوند نہی
کہ من شہر علمم علی ام در است	درست ایں سخن قول پیغمبر است
گواہی دہم کیں سخن راز اوست	تو گوئی دو گوشم بر آواز اوست

ایک بھاری الزام قایم کرکے محمود سے فردوسی کو ہاتھیوں کے نیچے پامال کرنیکا فرمان حاصل کیا فردوسی اپنی محنت و جانفشانی اور اس قدردانی کو یاد کرکے کہتا ہے۔

ایا شاہ محمود کشورکشا	ز من گر نترسی بترس از خدا	کہ بددین و بیکیش خواندی مرا
منم شیر نر میش خواندی مرا	مرا سہم دادی کہ در پائے پیل	تنت را بسازم چو دریائے نیل
نترسم کہ دارم ز روشن دلی	بدل مہر آل نبی و ولی	اگر در کف پائے پیلم کنی
تن ناتواں ہمچو سنگیلم کنی	بر ایں زادہ ام ہم بریں بگذرم	تناگوئے پیغمبر و حیدرم
بسے رنج بردم دریں سال سی	عجم زندہ کردم بدیں پارسی	جہاں از سخن کردہ ام چوں بہشت
کزیں پیش تخم سخن کس نکشت	بسے تاجداران و گردنکشاں	کہ دادم یکا یک از ایشاں نشاں
ہمہ مردہ از روزگار دراز	شد از گفت من نامشان زندہ باز	چو عیسی من آں مردگان را تمام
سراسر ہمہ زندہ کردم بنام	یکے بندگی کردم اے شہریار	کہ ماند ز تو در جہاں یادگار
بیفگندم از نظم کاخے بلند	کہ از باد و باراں نیابد گزند	ز ایں گوز واجی مرا تو نوید
ندایں بودم از شاہ گیتی امید	مدا اندیش را روز نیکی مباد	سخن ہائے نیکم بہ بد کرد یاد

بر پادشاہ صورتم زشت کرد | فروزندہ اختر چو انگشت کرد | مرا گفت خسرو کہ بو واست گیو
جہاں رستم و طوس و گودرز و گیو | مرا در جہاں شہریارے نو است | بسے بندگانم چو کیخسرو است

بہ دانش نبد شاہ را دستگاہ | وگرنہ مرا برنشاندے بگاہ

پامالی کی خبر سن کر فردوسی تو راتوں رات مسبیر و سامان غزنی سے نکل بھاگا۔ محمود کی خفگی کے آگے کسے جرأت تھی کہ فردوسی کی مدد کرے۔ البتہ ایاز نے دوستی کا حق ادا کیا ایک تیز رفتار گھوڑا کچھ نقد اور ضروری سباب سفر اپنے ایک معتبر قاصد کے ہمراہ دے کے فردوسی کو پیچھے روانہ کیا وہ قاصد اس باد پا کو لئے ہوئے ہوا کی طرح اڑا اور فردوسی کو جالیا اور اپنی خدمت کو ادا کر کے ایاز کے نام سے بھی تاکید کی کہ جس قدر جلد ممکن ہو محمود کی حدود سے نکل جائے کہتے ہیں کہ محمود کی اس نا قدر دانی پر فردوسی نے کتاب شاہنامہ طلب کیا اور کم و بیش چالیس شعر جو کہ اس نے بادشاہ کی ہجو میں لکھے تھے اس میں ثبت کر دیئے یا یہ کہ انکو مہر کر کے ایاز کے سپرد کئے تاکہ وقت مناسب پر بادشاہ کی خدمت میں پہنچا دیئے جائیں ابیات منتخب یہ ہیں۔

اگر شاہ را شاہ بودے پدر | بسر برنہادے مرا تاج زر | وگر مادر شاہ بانو بدے
مرا سیم و زر تا بزانو بدے | چو اندر تبارش بزرگی نبود | نیارست نام بزرگان شنود
چو سی سال بردم بہ شہنامہ رنج | کہ شاہم بہ بخشد بپاداش گنج | بپاداش من گنج را برکشاد
بمن جز بہائے فقاعی نداد | ز بد اصل چشم بہی داشتن | بود خاک در دیدہ انباشتن
جہاں را چنین است آئین و ساز | کہ ساز و فرومایہ را سرفراز | درختے کہ تلخ است وے را سرشت
گرش در نشانی بباغ بہشت | وراز جوئے خلدش بہنگام آب | بہ بیخ انگبیں ریزی و شہد ناب
سرانجام گوہر بہ کار آورد | ہماں میوہ تلخ بار آورد | ز بد گوہراں بد نباشد عجب
نشاید سیاہی ستردن ز شب | ز ناپاک زادہ مدارید امید | کہ زنگی بشستن نگردد سپید
پرستار زادہ نیاید بکار | اگرچہ بود زادۂ شہریار | اس عرصہ میں فردوسی

کے ساتھ غیر منصفی کئے جانے کی رپورٹ تمام اضلاع خراسان میں پھیل گئی اور محمود و حسن میمندی کی کارروائی پر عام نارضامندی اور ناپسندی کا اظہار ہوا۔ فردوسی ہرات پہنچکر چند روز وہاں ٹھہرا گرفتاری کو محمود کے بھیجے ہوئے لوگوں کی طرف سے خاطر جمع کر کے طوس کو روانہ ہوا وہاں سے طبرستان میں شہریار بن دارا کے پاس گیا جو کہ اولاد کیقباد سے تھا اسے سلطان محمود کی ہجو پڑھ سنائی اور کہا کہ شاہنامہ کو میں شہریار کے نام پر کیا چاہتا ہوں۔ کیونکہ وہ حضور ہی کے بزرگوں کی

کی داستان ہے شہریار نے فردوسی کو سمجھایا کہ محمود بادشاہ بزرگ ہے۔ اس معاملہ میں اس کی کوئی تقصیر نہیں یہ سب تیرے حاسدوں کا کام ہے بہتر ہے کہ شہنامہ کو اسی کے نام پر رہنے دے اور اس کی ہجو مجھے دے ڈال تاکہ میں اسے دھو ڈالوں اور اس کے برابر تیری خدمت کروں دوسرے روز ایک لاکھ درم بھیجے اور کہا کہ ہر ایک ہجو کی بیت کو میں نے ہزار درم پر خریدا۔ اور امید ہے کہ عنقریب سلطان تجھے بلا بھیجے اور نظر عنایت مبذول فرمائے۔ یہ سُنکر فردوسی انتقام لینے سے درگذرا اور شہریار کے کہنے پر عمل کیا۔

نصیر الدین محتشم یا ناصر لک والی تہستان اگرچہ محمود کا ایک بڑا دوست تھا اور اس پر محمود کے بے شمار احسانات تھے جب اُسے فردوسی کے حالات سے آگاہی ہوئی اور معلوم ہوا کہ پایہ تخت کے قریب آپہنچا ہے اس قدر دان نے نہ جانا کہ محمود کی خاطر اپنے نامور اور قابل شخص کی عزت نہ کی جائے عزت نہ کی جائے چند علما و فضلا کو فردوسی کے استقبال کے لئے بھیجا بڑی گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا جب وہ دربار میں حاضر ہوا تو محتشم نے اسے بہت کچھ انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا ناصر لک کو معلوم ہوا کہ فردوسی دیلم میں پہنچکر ایک داستان نظم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے کہ جس میں اپنے اور بادشاہ کے معاملات اور وزیر کے ظلم و بخل کی حکایت ہو تاکہ دنیا میں یادگار رہجائے تو نہایت نرمی اور ملایمت سے فردوسی کو سمجھایا کہ یہ کام تیرے شایان شان نہیں اور نہایت دلجوئی کر کے کہا کہ اس داستان کو دل سے بالکل محو کر دے۔ فردوسی گفتہائے سابق سے پشیمان ہوا۔ اور جو کچھ کہ ساتھ رکھتا تھا (یعنی وہ اشعار جو اس نے ایک نہایت خفگی کے وقت میں محمود کی ہجو میں لکھے تھے) ناصر لک کو بھیجدے اس کے ساتھ ہی یہ چند ابیات ناصر لک کو لکھے۔

نخوزمیں مرا گرچہ خون شد جگر
ہمی خواستم تا فغان ہا کنم
کنمش آنچناں و سیاہ از نخست
ولیکن لنفر مودۂ محتشم
اگر باشد این گفتہا ناصواب

زبیداد آں شاہ بیداد گر
بگیتی ازاں داستان ہا کنم
کہ نہ تواند آنرا ہیچ آب شست
ندانم کزیں بیش چوں سر کشم
بسوزان بآتش بشویاں بآب
رسد لطف یزداں لفریاد من

کز آں رنج شد رنج سی سالہ ام
بگویم زمادرش نیز از پدرش
چو دشمن نمیدا ندازد و ستانش
فرستادم از گفتۂ داشتم
گذشتم ایا سرور نیک رائے
ستاند بحشر از و داد من

شنید آسماں از زمین نالہ ام
نترسم زکس جز خداوند عرش
بہ تیغ زبانم کشم پوست باز
بنزدیک خود ہیچ نگذاشتم
ازیں در گہے تا بدیگر سرائے

ناصر لک محتشم نے فردوسی کیلئے چالیس ہزار دینار بھیجے اور اسے روانہ کر دیا باوجود حکایات مذکور البتہ یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ پھر یہ داستان زبان زد خاص و عام کیسے ہوئی صاف بات تو یہ ہے کہ فردوسی کے ایک خاص ہمدردی کا

ؔ اس حساب سے سو شعر ہونا چاہیئے غالباً کم و بیش چالیس شعر خاص ہجو کے ہونگے۔

اظہار ہوا تھا عجب نہیں اگر یہ اشعار جو غزنی، طوس اور ہرات میں فردوسی کے دوستوں کے گوشگذار ہو چکے تھے ان کی زبان سے عام کے کانوں تک پہنچے ہوں اور چار گوشہ عالم میں پھیل گئے ہوں جنکو روک رکھنے کی کوشش رائگاں اور بے سود کوشش تھی لیکن فردوسی سے بعید ہے کہ اس نے عفو کے بعد اس امر میں کوئی سرگرمی بتلائی ہو۔ ناصر لک محتشم نے بنظر دولت خواہی ایک عریضہ بھی دربار سلطانی میں بھیجا ملائم الفاظ میں محمود کی شکایت کی اور فردوسی کے سوز و گداز کو مشروحاً بیان کر کے لکھا کہ یہ بات ٹھیک نہیں کہ شکستہ دل فردوسی اس بڑی عمر میں سطح زمین پر ایک آوارہ بھٹکنے والا بنا دیا گیا جس نے اپنی زندگی کا بہتر حصہ تیس سال کا سلطان کی آرزو کو پورا کرنے میں صرف کیا اور ایک بے مثل اور لاجواب کتاب لکھی جو ذخیرہ کہ اس نے سلطان کی فرمائش سے تیار کیا ہے وہ تیس سال کی سخت محنت اور متواتر کوششوں کا ایک تعجب خیز نتیجہ ہے۔ حاسدوں اور بداندیشوں کی باتوں پر عمل کر کے فردوسی کو ناامید بنا دیا سلطان کو ہرگز زیبا نہ تھا یہ ایسی حکایت ہے ہر خاص و عام میں اس کا چرچا ہو گا اور سلاطین ایام کے دربار میں اس کا ذکر چھڑ یگا اور یہ نقل ہر مجلس نیک و بد کیلئے ایک نقل ہو جائے گی محتشم نے ہجو سے باز آنیکی بھی مفصل کیفیت لکھی اور اخیر میں فردوسی کے دو شعر لکھے ہوئے خط کے اخیر شعر یہیں۔

گذشتم ازیں سر در نیک رائے ازیں در گہے باد بگیر مرائے رسد لطف یزداں لغریادمن تاند بخشر از و داد من

اس زمانہ میں منوچہر پسر قابوس کی نسل سے ایک شخص اسفند جرجانی مازندران کی حکومت کرتا تھا شہنامہ میں اس بادشاہ کے نامور آبا و اجداد کا ذکر نہایت عمدگی سے کیا گیا ہے جس سے کہ اسفند جرجانی کے دل میں فردوسی کی محبت پیدا ہوئی تھی اس خیال سے فردوسی نے قہستان سے مازندران کا رخ کیا اگرچہ محمود کے خوف سے اسفند جرجانی نے فردوسی کو دربار میں نہیں بلایا تاہم خفیہ طور سے اس کے ساتھ نہایت فیاضانہ سلوک کیا اور امداد پہنچائی محمود کی خفگی نے جب فردوسی کو یہاں بھی پناہ نہ دی تو وہ مازندران سے بغداد کی طرف روانہ ہوا۔ بایں خیال کہ اگر کہیں نہیں تو آستانہ خلافت میں ضرور پناہ ملے گی وہ آستانہ خلافت جس کے آگے بڑے بڑے ذی اقتدار فرمانروا اپنا سر جھکاتے تھے۔

فردوسی کے سپرد کئے ہوئے اشعار بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنیکے لئے ایاز مدت سے موقع ڈھونڈ رہا تھا کہ ایک روز جمعہ کو محمود جامع مسجد میں نماز کیلئے گیا دیوار مسجد پر نظر پڑی تو فردوسی کے دو شعر جو اس نے اپنی شکستہ حالی اور بداقبالی پر نظم کئے تھے غزنی سے فرار ہونے کی شب لکھے تھے

خجستہ درگہ محمود زابلی دریاست + چہ گونہ دریا کہ آنرا کنارہ پیدا نیست + چو غوطہ ازدم واندرو ندیدم دُر گناہ بخت من است ایں گناہ دریا نیست + یہ کہنے کو دو شعر ہیں مگر محمود کا دل ہی بہتر جانتا ہے کہ ان سے

اس کو کسقدر صدمہ پہنچا طرّہ یہ کہ ایاز نے بھی اس موقعہ کو غنیمت جانکر فردوسی کی امانت پیش کی اور ادہی وزنامہ ملک محتشم کا خط بھی جو مسجد سے رنجیدہ خاطر ہو کر آیا ہی تھا محتشم کا نامہ ملنے سے محمود کی طبیعت پر جو غم و غصہ طاری ہوا اور مذمت اور پشیمانی نے جو کچھ اس پر اثر کیا ہے اس کا بیان اگرچہ مشکل ہے لیکن ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں فردوسی کے دوستوں نے جو اس وقت تک باطل گفتگو دل میں رکھتے تھے ایک زندہ پیرایہ میں محمود کو فردوسی کے حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ ان حسد اور ارباب غرض کے ہاتھوں فردوسی پر ظلم شنیع ہوا محمود نے برہم ہو کر مفسدین کو کما حقہ سزا دی خواجہ حسن میمندی کو ۶۰ ہزار دینار جرمانہ کیا کیونکہ فردوسی کو رقم مذکور دینے میں وہ مانع آیا تھا اس کے علاوہ اپنی عیر منصفی پر اس نے بہت افسوس کیا تاہم وہ دلخراش ہجو جو ایاز کے ہاتھوں پیش ہوئی ایسی نہ تھی کہ سلطان محمود سا عظیم الشان بادشاہ اسے بھول جاتا۔ فردوسی کے گستاخانہ کلام نے آخرالامر محمود کو اس فیصلہ پر مجبور کیا کہ اسے ترار واقعی سزا دیجائے اب فردوسی کی گرفتاری کے لئے انعامی اشتہار بھی دیا گیا لیکن فردوسی تو اپنی عمر بھر کی پونجی لئے ہوئے بغداد کی گلیوں میں پھر رہا تھا شاہنامہ کے درست اور صاف کرنے میں اس کو بہت عرصہ گذرا۔ بغداد میں اس کو یہی ایک شغل تھا اور بغداد میں کیا بلکہ دنیا میں اگر اس کو تسلی دینے والا کوئی کام تھا تو یہی تھا ایک روز حسن اتفاق سے ایک سوداگر سے ملاقات ہوئی جو نکہ پہلی جان پہچان تھی اور فردوسی کے زمانہ عروج میں وہ فردوسی کا احسان اٹھا چکا تھا اسے اپنے گھر لے گیا اور بہت کچھ خاطر مدارا کیا اور اس کی وزیر خلیفہ تک رسائی بھی کردی فردوسی نے وزیر کے لئے ایک عربی قصیدہ لکھا جو وزیر کو نہایت پسند آیا اور یلک نے بھی اس کے صلہ میں فردوسی کو قبولیت عام کی سند دی جب وزیر نے فردوسی کی قابلیت اور اس کی مصیبت کی داستان سنا کر اس کو فیاض خلیفہ کے پیش کیا تو انعام و اکرام سے سرفراز کئے جانے کے علاوہ خلیفہ نے اس کو تمام دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھنے اور پناہ دینے کا وعدہ کیا ادھر فردوسی نے ایکہزار شعر اپنے فیاض و ذی اقتدار سرپرست کی شان میں اور بڑھا دیئے محمود کو خبر پہنچی کہ فردوسی نے خلیفہ کے پاس امان لی۔ جلد ایک قاصد نامہ دیکے روانہ کیا مضمون یہ تھا کہ بیدین فردوسی فی الفور ہمارے دربار میں بھیجدیا جائے ورنہ ہم ہاتھیوں کی ایسی جماعت کے ساتھ آئیں گے کہ بغداد کے اطراف و اکناف کو پامال اور ویران کر دینگے۔ ہوشیار خلیفہ قادر باللہ ذرا نہ ڈرا اور اس گستاخانہ خط کے ایک گوشہ پر فقط الم یہ تین حروف لکھے اور خط کو سربمہر محمود کو واپس بھیجدیا۔ جب محمود کا قاصد غزنی میں واپس آیا اور فردوسی کو نہ لایا تو ہر طرف حیرت چھائی کہ یہ کیا معاملہ ہے دیکھنا چاہیئے خلیفہ نے کیا جواب دیا ہے خط کے گوشہ یا حاشیہ پر جواب (اور وہ بھی اس قدر مختصر) لکھے جانے سے محمود کی کھلم کھلا ہتک ہوئی مشکل یہ آپڑی کہ ان حروف کے معنے کو نہ محمود سمجھ سکتا تھا نہ اس کے وزرا بتلا سکتے تھے اس پر محمود کے درباریوں میں بہت کچھ بحث ہوئی ایک کم عمر درباری نے کہ سہ بالاے سرش زہوشمندی۔ مے تافت ستارہ بلندی۔ کہا کہ حضور والا مقدر

حیران وسرگردان کیوں ہیں یہ تین حروف نہایت پُرمعنی ہیں اور سورۂ فیل کیطرف اشارہ کرتے ہیں الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل الخ جب ان حروف کی اس طور سے تاویل ہوئی تو اہل دربار کو یقین ہوا کہ خلیفہ پر محمود کی دہمکی نے کچھ بھی اثر نہ کیا محمود بھی اصحاب فیل کے قصہ سے ڈر گیا۔ بغداد پر چڑھائی اور فردوسی کو سزا دینے کے خیال سے باز آیا۔ اس عرصہ میں نصیر الدین محتشم کی بار بار درخواستوں سے وہ اب فردوسی کیطرف رحم کی نگاہ سے دیکھنے لگا محتشم کا آخری خط آنیکے چند روز بعد ایک ایسا واقعہ ہوا کہ جس نے فردوسی کی خطابخشی کا فیصلہ کر دیا۔ نظامی عروضی بیان کرتے ہیں کہ محمود ایکروز ہندوستان کے اپنے ایک باغی سردار کو مصالحت کی نسبت مراسلہ شرطیہ لکھ رہا تھا تاکہ وہ اپنی سرکشی سے باز آئے اور محمود کو اسکے مقابلہ میں لشکر عظیم دور دراز ملک ہندوستان میں بھیجنے کی زحمت اٹھانی نہ پڑے اس خط کو ختم کر کے دو مہر لگا کے قریب تھا کہ روانہ کر دے کہ یکایک اسکو ایک خیال سا پیدا ہوا کہ اگر یہ خط اپنا پورا پورا اثر نکرے تو ٹھیک نہ ہوگا منشی سے پوچھا کہ تہدید کیلئے کیا لکھا جائے اس نے فی الفور عرض کیا استاد ابو القاسم فردوسی کا یہ شعر سے اگر جز بکام من آید جواب من و گرز و میدان افراسیاب سلطان پر اس واقعہ نے بہت بڑا اثر ڈالا اس کو فردوسی کی لیاقت اسکی عالی ہمتی اسکی تیس سال کی خدمت کے حقوق یہ تمام باتیں یاد آ گئیں بہت پچھتانے اور کف افسوس ملنے لگا آخر کش اپنی معافی کی خبر فردوسی کو کہلا بھیجی اور ساٹھ ہزار دینار اور خلعت شاہانہ اسکے لئے طوس میں روانہ کرنیکا حکم کر دیا۔

چند دنوں کے بعد فردوسی بغداد سے طوس کو چلا گیا اب وہ ضعیف و ناتوان ہو گیا ہے ان تمام مصائب نے جو اسے جھیلنے پڑے اسکو بالکل حقیر اور نحیف بنا دیا ہے اب اس نے اپنا قدیم پیشہ اختیار کر لیا ہے اور اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں ایکروز کا ذکر ہے کہ وہ راستہ سے چلا جا رہا تھا سامنے سے ایک لڑکا اچھلتا کودتا آ رہا تھا اور یہ شعر اسکی زبان پر تھا شعر اگر شاہ را شاہ بودے پدر بسر بر نہادے مرا تاج زر۔ پس اس شعر کا سننا تھا کہ وہ تمام مصائب جو اسکی زندگی کا ایک عبرت انگیز سرمایہ تھے اسکے سامنے اپنی ہیبت ناک صورت بنا کر کھڑے ہو گئے اور اپنی محنت شاقہ کے صلہ میں جو کچھ سختیاں اس نے سہی تھیں اس وقت وہ اسکو تمام یاد آ گئیں ایک غشی کا عالم اس پر طاری ہوا اس نے ایک آہ سرد بھری اور گر پڑا۔ گھر لیجانے کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد ۸۰ سال کی عمر میں اس نے دنیائے فانی کی تمام مصیبتوں سے نجات پائی اور بقائے دوام کیلئے شہنامہ چھوڑ گیا۔ عبرت کا مقام ہے کہ اب جبکہ اسکی روح پرفتوح فردوس بریں میں پرواز کر چکی ہے خویش و اقربا اور دوست آشنا فردوسی کا جنازہ اس گوہر بے بہا کو خاک میں چھپانے کیلئے شہر کے دروازہ سے باہر لیجا رہے ہیں دوسرے دروازے سے فردوسی کے لئے انعام و اکرامات سے لدے ہوئے اونٹ شہر میں داخل ہو رہے ہیں ملک سخن کا بادشاہ جس کی ذات با صفات سے قلمرو سخن نے آب و تاب پائی تھی دنیا سے کنارہ کش ہو کر اور ملک سخن کی حکمرانی کو خیرباد کہکر طوس کی خاک پاک میں مدفون ہو چکا ہے محمود کے ملازم اسکی دختر سے اصرار کر رہے ہیں کہ وہ شاہی انعامات کو قبول کرے مگر آفرین اس

خدا کی بندگی پر اور تحسین اسکی عالی ہمتی پر کہ وہ ان زر و جواہر پر نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی اور یہی سید صاف سادہ اور صاف جواب دیکر ٹالدیتی ہے کہ بادشاہوں کی دولت سے ہمیں کیا سروکار یہ انہیں کو مبارک خدا نے تھوڑا بہت جو کچھ دیا ہے وہ ہم غریبوں کے لئے کافی اور حاجت سے زیادہ ہے چار ناچار ملازم منھ کر واپس [illegible] محمود نے اس رقم سے طوس میں ایک پل اور کاروانسرا تعمیر کروایا اگرچہ فردوسی کی زندگی میں اسکی آرزو پوری نہونے پائی ورنہ اپنی بند ہونے والی آنکھوں سے ان یادگار نشانیوں کو نہ دیکھ سکا تاہم محمود کی اس اخیر کارروائی سے فردوسی کی روح کو اول جو کچھ صدمہ پہنچا ہو کم ہوا ہوگا فردوسی اور محمود کا نام یاد دلانیوالی یہ یادگاریں ایک مدت تک قائم تھیں یہانتک کہ عبید اللہ خاں کے ماتحت ازبیگ کے لشکر نے انکو مسمار کرکے انکا نام و نشان دنیا کے پردے سے اٹھا دیا حکیم ناصر خسرو اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ جب سنہ ۴۳۷ ہجری میں یعنی جب فردوسی کی رحلت کیے ۲۶ سال بعد میں طوس گیا تو وہاں ایک عظیم الشان نو تعمیر کاروانسرا دیکھا دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ کاروانسرا اور ایک پل محمود نے اس رقم سے تیار کیا ہے ۔ ایک اس امر کو معین الدین غزالی کیطرف منسوب کرتا ہے اور دوسرا شیخ ابو القاسم گرگانی کیطرف لیکن ایران میں وہ آخر الذکر کیطرف منسوب ہے ابو القاسم گرگانی نے کہ علماء عصر سے تھے فردوسی کے جنازہ کی نماز پڑھنے سے انکار کیا اس بنا پر کہ اس نے اپنی عمر عزیز آتش پرستوں کی تعریف میں صرف کی تھی اسی شب خواب میں دیکھا کہ وہ عرفات جنان میں حور و غلمان کی صحبت میں ہے پوچھا اپنی عمر تو تو نے راہ باطل میں صرف کی پھر اس عالی رتبہ کو کیونکر پہنچا فردوسی نے کہا فقط ایک شعر سے جو میں نے توحید میں کہا ہے شعر جہان را بلندی و پستی توئی ۔ ندانم چہ ہر چہ ہستی توئی ۔ شیخ مذکور بیدار ہوتے ہی اور اسی وقت فردوسی کے مزار کثیر الانوار پر تشریف لیگئے اور سر عجز کو خاک پر رکھکے فردوسی کی روح پاک سے عذر خواہی کی اور زار زار رونے لگے ۔ کہتے ہیں کہ آخر شہنامہ استیلائے عرب سے اسدی کا کلام ہے فردوسی کے زمانہ وفات کے قریب جب اسدی طوس میں پہنچا تو فردوسی نے اسے بلا کر کہا کہ قدرے نظم شہنامہ باقی رہ گئی ہے اندیشہ ہے کہ اگر میرا انتقال ہو جائے تو کوئی اسے اتمام کو نہ پہنچائیگا اسدی نے دلاسا دیا اور اتمام کو پہنچانیکا وعدہ کیا مگر یہ امر مشتبہ ہے کہ اس نے چار روز میں ۴ ہزار ابیات کہکر فردوسی کے پیش کئے اور صلہ تحسین حاصل کیا حالانکہ ۴ ہزار اشعار کے لکھنے کے لئے دو روز کافی تصور نہیں کئے جا سکتے ۔

آخر عمر میں فردوسی نے مثنوی یوسف و زلیخا بھی بحر تقارب میں لکھی جو نو ہزار شعر کا مجموعہ ہے اسکی بحر چونکہ شہنامہ کی بحر ہے داستان حسن و عشق کے لئے موزوں نہیں تاہم متانت و سلاست کلام اسکی استادی پر گواہ ہے شیرخاں لودی نے اپنے تذکرہ میں جہاں انوری و سعدی کو قصیدہ و غزل کا پیغمبر تسلیم کیا ہے وہاں فردوسی کو بھی یہی عزت دی ہے بلکہ ترتیب کے لحاظ سے فردوسی کو درجہ اول کی کرسی پر بٹھایا ہے وہ تین شخصوں کو شعر کا پیغمبر تسلیم کرکے کہتا ہے ۔ ابیات و قصیدہ و غزل را ۔ فردوسی و انوری و سعدی ۔ فردوسی نے سنہ ۴۱۱ ہجری میں وفات پائی دولتشاہ سمرقندی نے اپنے حالات میں لکھا ہے کہ شہنامہ لکھے جانیکو چار سو برس ہوئے آجتک کسی نے کوئی ایسی نظم نہیں لکھی جس کا کسی صورت شہنامہ کیساتھ

۱ ہم کو اس شعر کی صحت میں ایک جگہ پر ہم نے یوں بھی لکھا دیکھا ہے ۔ پناہ بلندی و پستی توئی ۔ ہمہ نیست اند آنچہ ہستی توئی ۔ فردوسی جہان را بلندی توئی ۔ ندانم چہ ہر چہ ہستی توئی

مقابلہ کیا جا سکے۔ علی ہذا حاجی لطف علی بیگ آذر مولف آتشکدہ لکھتے ہیں کہ "ہرچند بتصاریف زمان و انقلاب
دوران و اختلال حال ایران امروز شہنامہ کہ صحت داشتہ باشد موجود ندارد و بعلت عدم ربط کتاب و تناسخ چنداں تغیر یافتہ
کہ نمیتوان گفت درین کتاب شعرے از فردوسی بدون تغیرے باقی ماندہ است باز آنچہ ماندہ بہ ازیں مقابل اشعار فصیح و فصحا
و اذکار بلیغ بلغا است و رہبر عالم شعر خوب و سخن مرغوب دارد و دریں ہفتصد سال کسے از زمرۂ شعرا نیامدہ کہ راہ ہم چشمی
او بسنجد بلکہ احدی نبود کہ سر از ربقۂ شاگردی او بپیچد"۔

اب ہم کو اس مضمون کی نسبت زیادہ لکھنا نہیں ہے اخیر میں ہم وہ عبارت لکھ دینا مناسب سمجھتے ہیں جن کو سر گور اوسلی
نے اپنی کتاب نوٹس آن پرشین پوئٹس میں درج کئے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ فردوسی کی سوانحعمری لکھنے والوں نے وہ
دو شعر جو ابوالقاسم کے قصہ کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں فردوسی کے شہنامہ کی طرف منسوب کئے ہیں اور کسقدر
تعجب کی بات ہے کہ میرے لائق اور فاضل دوست کپتان ٹرنر میکن صاحب نے اس سلطان الشعرا کا انگریزی
میں مختصر حال لکھا ہے اس میں بھی انہوں نے ایسا ہی کیا ہے کوئی شخص مسٹر میکن کی قابلیت اور مختلف شہناموں کو
جمع کرنے اور انکا مقابلہ کرنے کی محنت اور متواتر کوششوں کا انکار نہیں کرسکتا اور چونکہ شہنامہ کی وہ نقل جو انہوں
نے طبع کرائی ہے اس میں بھی وہ دو شعر نہیں پائے جاتے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک اچھا ثبوت ہے میرے اس مدت دراز
کے خیال کا کہ وہ دونوں شعر اوروں کے کہے ہوئے اس میں داخل کئے گئے ہیں"۔ اسقدر لکھنے کے بعد وہ ایک واقعہ بیان
کرتے ہیں جسکو انکو ایران کی سفارت میں پیش آیا تھا وہ کہتے ہیں کہ "مجھ کو یاد ہے کہ جب میں جارج ثالث کیطرف سے شاہ
ایران فتح علیشاہ کے دربار میں سفیر بنکر گیا تھا تو ایک روز جبکہ محل شاہی میں وزیروں اور فاضلوں کی مجلس آراستہ تھی اور
شہنامہ کا ذکر درپیش تھا میں نے پوچھا آیا ابوالقاسم کا قصہ صحیح ہے؟ مجھ سے پوچھا گیا کہ تم کو اس میں کوئی شک ہے
میں نے جواب دیا کہ بارہا میں نے ان شعروں کو ڈھونڈا جس پر ابوالقاسم کے قصہ کی بنیاد ڈالی گئی ہے یہ شعر مجھ کو اپنے
کتب خانہ کے تین قدیم شہناموں کی نقلوں میں نہیں ملے اتنا ہی بلکہ اور پندرہ سولہ شہناموں میں بھی نہیں پائے گئے ان نقلوں
میں ایسے عمدہ شعروں کا نہونا اور سکندرنامہ کے دیباچہ میں قریباً ویسے ہی شعروں کا نظر آنا میرے دل میں کسقدر شک پیدا کرتا ہے
اور مجھے امید ہے کہ آپ رفع کرینگے اس پر چند صاحبوں نے اپنی اپنی نقلیں منگوا بھیجیں انکو اپنے اپنے شہناموں میں ان شعروں کے ہونیکا
اسقدر یقین تھا کہ میں نے اول ہی سے بالکل خلاف رائے ظاہر کرنے میں اپنے کو خوش قسمت تصور کیا آخر سات نقلیں لائی
گئیں اور تمام حاضرین یہ دیکھکر متعجب ہوئے کہ سوائے ایک کے وہ شعر کسی میں نہیں پائے گئے اور وہ جس میں پائے گئے تیس سال کے
قبل کی قطع نسخ میں فرض اللہ خاں کیلئے لکھی ہوئی تھی"۔ سر گور اوسلی کہتے ہیں کہ "یہ کہنا نہایت منصفانہ ہوگا کہ ان شعروں
کی تلاش میں میں نے تمام شہنامہ چھان مارا کیونکہ میرا خیال ہے کہ وہ شعر اگر کہیں پائے جائیں گے تو محض توحید ہی میں پائے
جائینگے جیسا کہ فرض اللہ خاں کی شہنامہ کی نقل میں پائے گئے شہنامہ کی نقلوں میں کچھ ایسی غلطیاں واقع ہوئی ہیں کہ جنکی

شہزادے بایسنغر خاں یعنی امیر تیمور کے پوتے نے ۸۲۹ھ میں ایک صحیح اور اصل نقل تیار کرنے کی غرض سے بہت سی نقلیں جمع کیں اور ان کو ایک دوسرے سے ملایا اور صحیح نقل تیار کروائی مگر اس زمانہ سے نقل در نقل ہونیکے سبب سے شہنامہ کی ضخامت اور مضمون میں بہت کچھ فرق آگیا کہ جس سے انکے صحیح ہونے میں شک واقع ہوتا ہے کپتان میکن لی بہت سی نقلوں کو ملا دیکھا اور مضمون اور نقلوں کی تعداد اشعار میں بھی بہت بڑا فرق پایا یعنی کم از کم اشعار جو شہنامہ میں پائے ۵۶۶۰۰ اور زیادہ سے زیادہ ۶۲۹۸۶ تھے سر گور اوسلی نے جن تین قدیم شہنامہ کے نسخوں کا بیان کیا ہے ان کی نسبت وہ لکھتے ہیں کہ ایک میں ۶۲۹ صفحہ میں اور ۹۹۱ اشعار ہیں وہ ایک عمدہ خط نستعلیق میں لکھی گئی ہے لوح اور دیباچہ کی ورق پر نہایت ہی تکلف کیساتھ نقش و نگار کیا ہوا ہے اور تمام کتاب میں ۵۵ تصویریں ہیں جو کہ وضع لباس اور اسلحہ جنگ کی قدامت کے لحاظ سے نہایت ہی عجیب ہیں کتاب کے اخیر میں کاتب کا نام اور تاریخ نہیں دی گئی لیکن نقش و نگار کے درمیان کچھ لکھا گیا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب ابو الفتح ابراہیم سلطان کے کتب خانہ کی ہے یہ ابو الفتح امیر تیمور کے پوتے شاہرخ مرزا کا بیٹا ہے اس پر سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ غالباً وہ بایسنغر خاں کے ایک صحیح نقل تیار کرانیکے چار سال قبل یعنی ۸۲۵ھ میں لکھی گئی ہوگی وہ عبارت جس کا اوپر ذکر کیا ہے دیباچہ کے پہلے صفحہ کی پشت پر ایک نہایت ہی خوشنما عجیب و غریب نقش و نگار میں لکھی گئی ہے جو حسب ذیل ہے "برسم خزانۃ السلطان الاعظم الاعدل الاشجع السلطان بعیث الحق والسلطنۃ و الدنیا والدین ابو الفتح ابراھیم سلطان خلد اللہ ملکہ" پہلے دیباچہ میں سات صفحہ ہیں اور اس میں مختلف خاندانوں کی فہرست دیگئی ہے انکے زمانہ کے مختصر حالات کیساتھ قدیم فارسی الفاظ کی ایک مختصر لغت مع معنی دی گئی ہے جس کا نام لغت الفارسی ہے دوسرے دیباچہ کی آٹھ صفحہ ہیں جس میں فردوسی سلطان محمود اور شہنامہ کے مختصر حالات ہیں غزنیں کے باغ میں ان شاعروں کے ساتھ فردوسی کی ملاقات کا مفصل حال لکھا ہوا ہے اور ایک تصویر بھی دیگئی ہے اس قصہ کا ایسے قدیم اور قیمتی شہنامہ کی نقل میں ہونا اور ساتھ ہی ساتھ ایک ایسی تصویر کا ہونا کہ جس کی آرائش پر بہت سا خرچ کیا گیا ہو مجھ کو اس واقعہ کی سچائی پر یقین دلانیکے لئے رغبت دیتا ہے شہنامہ کی دوسری نقل جس میں ۵۰۲ صفحہ ہیں قلم خفی سے خوشنما خط نستعلیق میں سلطان حسین بن سلطان علی بن ارسلان شاہ کی لکھی ہوئی ہے جو ایک مشہور و معروف خوشنویس ہے اس میں تاتاری طرز کی ۵۶ تصویریں نہایت ہی عمدگی کیساتھ کھینچی ہوئی ہیں اگرچہ یہ نقل بایسنغر خاں کے شہنامہ صحیح درست کرانیکے ستر سال کے بعد کی ہے تاہم اس شہزادہ کا نام دیباچہ میں ۱۲ صفحوں میں ہی نہیں پایا جاتا تیسری نقل جو میرے پاس ہے اس کا اخیر ورق کھویا گیا ہے میں اسکے لکھنے کی تاریخ کا برابر اندازہ نہیں کر سکتا لیکن اسکے کاغذ اسکے خط اور اسکے نقش و نگار سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ ۸۲۹ھ کے بعد کی لکھی ہوئی ہے خصوصاً جبکہ بایسنغر خاں کی مذکورہ بالا قابل قدر کارروائی کی نسبت بھی اسکے دیباچہ میں اشارہ کیا گیا ہے اس خوبصورت نقل میں جو دو کہتے ہیں فارسی مجلد ہے ۵۸۷۴۵ اشعار ہیں ۱۲۵۲ صفحے اور ۱۱۵ تصویریں دیباچہ ۵۲ صفحوں پر لکھا گیا ہے اس نسخہ میں بھی فردوسی کی عنصری اور اسکے دونوں دوستوں کیساتھ ملاقات کا ذکر اسی طور پر بیان کیا گیا ہے جیسا کہ پہلی اور دوسری نقلوں میں ۞

ختم

۵۱ - یہ عبارت سر گور اوسلی کی کتاب سے نقل مطابق اصل ہے۔

اردو ترجمہ کتاب جواہر فریدی

یہ کتاب فارسی زبان میں جناب حضرت محمد علی اصغر ابن شیخ مودود ابن شیخ محمد قریشی چشتی
از اولاد حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی اعلیٰ تصنیفات سے ہے کئی بار فارسی میں
چھپ چکی ہے۔ چونکہ فارسی اور عربی سے مسلمانوں نے توجہ اٹھائی ہے۔ اس لئے
بزرگان دین کے حالات سے بےخبری کے علاوہ فیوض و برکات روحانی سے بالکل
محروم ہو گئے۔ اس لئے اس خاکسار نے اس کا اردو ترجمہ کرایا۔ اور خدا کے فضل و
کرم سے اور ان پاک بزرگان دین کی روحانی امداد سے سلسلہ تصوف اردو کی ایک سو
سے زیادہ کتابوں کا ترجمہ ہو کر چھپ گئی ہیں۔ اور کثیر التعداد زیر ترجمہ ہیں چنانچہ
اسی سلسلہ تصوف میں سے ہم نے کتاب جواہر فریدی کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے
اور طبع شدہ فارسی نسخہ کے علاوہ قلمی نسخے مقابلہ کے لئے فراہم کئے۔ اور نہایت
احتیاط سے اس گوہر بےبہا کا ترجمہ چھپوایا جن حضرات نے فارسی جواہر فریدی کا
مطالعہ کیا ہوگا۔ وہ اس میں بہت سے مضامین زیادہ پائیں گے جو قلمی نسخوں سے لئے
گئے۔ اس میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جملہ اصحاب کبار کے حالات
زندگی اور کرامات عالیہ مع مفصل حالات و شجرہ پاک حضرت بابا فرید الدین گنج شکر
چشتی رحمۃ اللہ علیہ درج ہے قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اللہ والے کی قومی دکان مالک ملک چنن الدین خلف ملک فضل الدین ککے زئی مجددی نقشبندی

منزل نقشبندیہ کوچہ ککے زئیاں بازار کشمیری۔ لاہور